مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کی نمایاں خصوصیات

جناب نور محمد غفاری۔ ایم اے

تمام مذاہب عالم خواہ وہ صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہوں یا رواج پذیر ہوں ان میں صرف اسلام ہی وہ دین ہے جسے مکمل ضابطۂ حیات کا شرف حاصل ہے۔ اسلام نے انسانوں کو نظام معاشیات بھی دیا، اور سیاسیات بھی۔ نظام معاشرت بھی دیا اور نظام عبادت بھی۔ ان میں سے ہر ایک اپنی انگنت خوبیوں کی وجہ سے عالم میں باعث امن و امان، خوشگواری اور خوش اسلوبی، اور رونق اور خوشی بن سکتا ہے۔

اسلام کے نظام ریاست کو عملی طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنے کا موقع پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت ملا جب آپ نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لاکر انصار مدینہ کی امداد سے ایک ریاست کی طرح ڈالی جو خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں اپنی تکمیل کو پہنچی۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مبارک زمانہ ہی وہ وقت تھا جس میں اسلام کے نظام ریاست کو مکمل طور پر اپنایا گیا۔ جب کبھی ہمیں اسلام کے نظام حکومت کا جائزہ لینا ہوتا ہے تو اس دور کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ امید ہے اب آپ ہماری اصطلاح ــــ "مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست" ــــ کا مفہوم سمجھ گئے ہوں گے۔ اب ہم اس ریاست کی نمایاں خصوصیات کا جائزہ لیتے ہیں۔

نظریاتی ریاست: مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست ایک اصولی اور نظریاتی ریاست تھی جس کی اساس رنگ و نسل، زبان و وطن اور معیشت و سیاست کے اشتراک پر نہیں بلکہ خالصۃً

اسلامی نظریہ حیات پر رکھی گئی۔ اس اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ کا منصب خدا کے لئے خاص ہے؛

قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۔ (آل عمران ۔ ۱۵۴) کہہ دیجئے کہ اختیار تو سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۔ (یوسف ۔ ۴۰) حکم کا چلانا صرف اللہ ہی کو زیب دیتا ہے۔

ع سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (اعراف ۵) آگاہ ہو جاؤ تخلیق کرنا اور حکم کا چلانا اسی کیلئے ہے۔

اللہ تعالیٰ حاکم اعلیٰ ہے۔ اور اس کے احکامات کا زمین میں نافذ کرنا اس کے خلیفہ، انسان، کا کام ہے۔ خلیفہ کا فرض اقامتِ دین یعنی خدا کی شریعت کا اجراء، صالحات کی ترویج اور بدعات اور سیات کا استیصال کرنا ہے۔

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۔ (الحج ۔ ۴۱) (مسلمان وہ ہیں کہ) اگر ہم انہیں زمین میں صاحبِ اقتدار بنائیں تو وہ نماز قائم کریں گے (نظام) زکوٰۃ جاری کریں گے۔ نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔

اس ریاست میں قانون عوام اور خلیفہ دونوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ عوام کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے اولو الامر کی تابعداری کریں۔ اگر ان کے احکامات کو اللہ تعالیٰ کے احکامات سے ٹکراتا دیکھیں تو ان کی پیروی نہ کریں۔ بلکہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کریں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۔ (نساء ۔ ۵۹) اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تم میں جو صاحبِ اقتدار ہیں ان کا حکم مانو۔ اگر صاحبِ اقتدار اور تمہارے درمیان کسی معاملہ میں تنازعہ ہو جائے تو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اسے فیصلہ کرنے کے لئے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف لے جاؤ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے اولو الامر کی بات سنے اور اس پر عمل کرے چاہے اسے پسند ہو یا نہ تاوقتیکہ وہ معصیت کا حکم دیں۔ اور جب معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سنے اور نہ مانے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مسند خلافت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد پہلا خطبہ اس بات کی تشریح ہی تو تھی۔ جب آپ نے فرمایا:

"لوگو! میں تم پر خلیفہ مقرر کیا گیا ہوں، حالانکہ میں تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں بھلائی کے کام کروں تو میرا ساتھ دینا ورنہ اصلاح کر دینا۔ اگر میں خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرنا۔ اور اگر میں خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم سے روگردانی کروں تو تم پر بھی میری کوئی اطاعت نہیں۔" (ابوبکرؓ از محمد حسین ہیکل)

اسلام نے حکمران کو وعید سنائی:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ — اور جو اللہ کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ (المائدہ) — فیصلہ نہ کریں۔ پس وہ انکار کرنیوالے ہیں۔

الغرض اسلامی ریاست، ایک اصولی اور نظریاتی ریاست ہے مگر وہ:

۱۔ تھیاکریسی (THEOCRACY) سے ــــ جس میں مالکیت کے اختیارات ایک مخصوص مذہبی طبقہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، الگ ہے۔

۲۔ وہ فاشسٹ ریاست، جو خود مقصد بن جاتی ہے اور فرد کو کوئی اہمیت نہیں دیتی، سے بھی مختلف ہے۔

۳۔ وہ قومی ریاست اور سیکولرزم کی آلائشوں سے بھی مبرا ہے۔

۴۔ جمہوری ریاست | مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کی دوسری بڑی خصوصیت جمہوریت ہے۔ لیکن یہ موجودہ مروجہ مغربی جمہوریت سے بالکل مختلف ہے۔ آئیے ذرا مغربی جمہوریت کا اسلامی جمہوریت سے موازنہ کریں۔ دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلامی جمہوریت میں اقتدار اعلیٰ کے اختیارات خداوند قدوس کی ذات کے لئے مخصوص ہیں۔ جبکہ مغربی جمہوریت میں عوام ہی بیک وقت حاکم اعلیٰ اور محکوم ہوتے ہیں۔ یہی مفہوم لنکن کی تعریف سے مترشح ہے۔

GOVT. OF THE PEOPLE BY THE PEOPLE, FOR THE PEOPLE.

عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے اور عوام کے لئے۔

یہاں عوام اپنی مرضی سے قانون بناتے ہیں اور توڑتے ہیں، اور اگر وہ چاہیں تو لواطت ایسے گھناؤنے اور اخلاق سوز فعل کو قانونی جواز دے دیں۔ اور چاہیں تو مرد اور عورت کا کھلے بندوں ننگا پھرنا جائز قرار دیں۔ مغربی جمہوریت میں صدر مملکت بلاشبہ عوام کے ووٹوں (ہم نے

احتراماً دھونس، دھاندلی اور ڈنڈا کی نوک کے دلخراش الفاظ استعمال نہیں کئے) سے منتخب ہوتا ہے۔ مگر بعد میں یہی ملک کے سیاہ وسپید کا مالک بن جاتا ہے۔ حتیٰ کہ قرونِ مظلمہ کے جابر حکمرانوں کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے کیا ہی اچھا فرمایا ہے :

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام — جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب — تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق — طبِ مغرب کے مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمیٔ گفتار اعضائے مجلس الاماں — یہ بھی سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری

مگر مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کا حاکم اعلیٰ کا قانون ہر قسم کی خطا سے پاک ہے۔ خداوند قدوس جو انسان کی فطرت کا رازدان اور امین ہے۔ اس نے اپنی پاک کتاب میں بنی نوع انسان کو ایک ازلی اور ابدی قانون دیا ہے، جس کا انسان کے بدلتے ہوئے حالات، متنوع ضروریات اور کیفیات ساتھ دے سکتے ہیں۔ انسان جو زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے وہ جمہوری طرز پر اس قانون کو رواج دیگا۔

یہاں تک ہم نے مختصراً اسلامی جمہوریت اور مغربی جمہوریت کا فرق واضح کیا ہے۔

اسلامی جمہوریت کی بنیادیں مندرجہ ذیل ہیں :

ا۔ انتخاب

ب۔ شوریٰ

ج۔ مساوات

د۔ اربابِ اقتدار کا معتمد علیہ ہونا۔

ہ۔ عوام کے حقوق و فرائض کا تعین۔

ا۔ انتخاب | اسلامی جمہوریت کی پہلی بنیاد "انتخاب" ہے۔ یعنی خلیفہ کا انتخاب عوام کریں۔ مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کا پہلا حکمران — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انصار مدینہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی دعوت پر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور ان کی مرضی سے صاحبِ اقتدار ہوئے۔ آپ کے بعد خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافت انتخابی تھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، کا انتخاب سقیفہ بنی ساعدہ میں مدینہ منورہ کے تمام لوگوں نے جو حقیقت میں اس وقت پورے ملک میں نمائندہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ بغیر کسی دباؤ یا لالچ کے کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب بستر مرگ پر تھے تو کبار صحابہؓ سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں وصیت لکھوائی اور پھر اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر اور ایک دوسری روایت کے مطابق مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں لوگوں کو جمع کرکے فرمایا:

"لوگو! میں نے (حضرت) عمرؓ کو تم پر خلیفہ مقرر کیا ہے۔ خدا کی قسم! میں نے یہ فیصلہ کرنے کے لئے اپنے ذہن پر زور ڈالنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور اپنے کسی رشتہ دار کو نہیں بلکہ عمرؓ کو جانشین مقرر کیا ہے۔ اب تم انکی اطاعت کرو"

(طبری تاریخ الامم والملوک ج۔۲ صفحہ ۶۱۸ المطبعۃ الاستقامۃ قاہرہ ۱۹۳۹ء)

۔۔۔۔۔ لوگوں نے بیک آواز کہا:

"ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔" (بحوالہ سابقہ)

حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت کسی شخص کو نامزد نہیں کیا بلکہ ایک انتخابی کمیٹی بنائی جس میں تمام عشرہ مبشرہؓ جو ابھی بقید حیات تھے، شامل تھے۔ آخرکار تمام حضرات ایک دوسرے کے حق میں دست بردار ہوتے گئے اور مقابلہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ میں رہ گیا۔ دونوں حضرات نے فیصلہ کیا کہ جسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ منتخب کردیں اسے تمام تسلیم کرلیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے لوگوں سے مل جل کر ان کی رائے معلوم کی اور فیصلہ حضرت عثمانؓ کے حق میں دیا اور تمام لوگوں نے ان کی بیعت کی۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد چند اشخاص نے حضرت علیؓ کو خلیفہ منتخب کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا: "یہ اہل بدر اور اہل شوریٰ کا کام ہے۔ جسے وہ پسند کریں گے، وہی خلیفہ ہوگا، اس سلسلہ میں ہم اکٹھے ہوں گے اور غور و خوض کریں گے۔" (الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہؒ ج۔۱ صفحہ ۴۱)

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا: "میری بیعت خفیہ نہیں ہوسکتی یہ تو تمام مسلمانوں کا کام ہے۔" (الطبری ج۔۳ صفحہ ۴۵۰)

پانچواں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو سلیمان بن عبدالملک نے بنی امیہ کے طریقہ کے مطابق عوام کی مرضی کے بغیر مقرر کردیا، انہوں نے لوگوں کو مسجد میں اکٹھا کیا اور فرمایا:

"لوگو! مجھے تم پر حکمران مقرر کیا گیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ ایسا تمہاری مرضی جانے بغیر کیا گیا ہے۔ میں اس منصب سے دستبردار ہوتا ہوں، تمہیں آزادی ہے جسے چاہو اپنا خلیفہ چن لو۔" (سیرۃ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز از ابو محمد عبداللہ بن عبدالحکمؒ)

مجمع نے بیک آواز کہا: "آپ ہی کو چاہتے ہیں اور مجمع میں اکثر ایسے تھے جن کے رخساروں پر آنسوؤں کی لڑی تھی۔" (البدایہ ج۔۹ صفحہ ۲۱۲، ۲۱۳)

ب ۔ شوریٰ :۔ اسلامی جمہوریت کی دوسری خصوصیت شوریٰ ہے کہ تمام معاملات عوام کے منتخب نمائندے مشورہ سے طے کریں۔ قرآن حکیم میں مومنین کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ؛ وامرھم شوریٰ بینھم (الشوریٰ : ۳۸) اور ان کے آپس کے معاملات مشورہ سے طے پاتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اسلامی ریاست کے خلیفہ کو فرمایا : وشاورھم فی الامر (آل عمران ، ۱۵۹) کاموں میں ان سے مشورہ کیجئے ۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

مارأیت احداً اکثر مشورۃ لاصحابہ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ (بخاری)

میں نے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو (معاملات میں) اپنے احباب سے مشورہ کرتے نہیں دیکھا۔

...

موجودہ زمانہ میں قومی اور صوبائی اسمبلیاں یہی کام انجام دیتی ہیں۔

ایک وضاحت :۔ یہاں ایک ضروری امر کیطرف اشارہ کرتے چلیں کہ شوریٰ میں جو مسائل مشورہ سے طے پاتے ہیں وہ کس نوعیت کے ہوتے ہیں۔ ؟ مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی ریاست کی مجلس شوریٰ یا اسمبلی میں صرف ان مسائل سے متعلق بحث و تمحیص ہوتی ہے جن کے بارے میں کوئی نص موجود نہ ہو۔ اور یہ مسائل دینی ، معاشی ، معاشرتی ، سیاسی ، تعزیری اور فوجی وغیرہ قسم کے ہو سکتے ہیں۔ حدیث اور تعامل صحابہ رضوان اللہ اجمعین سے یہی بات سامنے آتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ کی وفات کے بعد کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس کا حکم قرآن میں ہو نہ آپ نے اس کے متعلق کچھ فرمایا ہو تو پھر ہم کیا کریں۔ ؟ آپ نے فرمایا : میری امت میں سے عبادت گذاروں اور اطاعت شعاروں کو جمع کرو اور ان سے مشورہ کرو مگر کسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کرنا ۔ (رواہ روح المعانی الخطیب البغدادی)

ج ۔ ارباب اقتدار کا معتمد علیہ ہونا : مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کی جمہوریت کی تیسری بنیاد ارباب اقتدار کا معتمد علیہ ہونا ہے۔ یہ تو بات بالکل واضح ہے کہ جب عوام انہیں منتخب کریں گے اور وہ عوام کے صحیح معنوں میں نمائندہ بن کر کام کریں گے تو ان کے معتمد علیہ ہوں گے ۔ اور اگر وہ عوام کی جائز خواہشات کا احترام نہیں کریں گے ۔ تو بغاوت کا خطرہ ہوگا۔

اسلامی ریاست کے خلیفہ کے معتمد علیہ ہونے کا معاملہ ایسا نہیں جس کا جوڑ ذات پات یا رنگ و نسل کے ساتھ لگا دیا گیا ہو۔ یہ درست ہے کہ چند مسلمان سیاست دانوں مثلاً ماوردی ، ابن خلدون وغیرہ نے ایک ہردلعزیز اور قابل اعتماد خلیفہ کی کچھ شرائط مقرر کی ہیں۔ مگر ان کی حیثیت

ثانوی ہے۔ اسلام کا نظامِ ریاست میں معتمد علیہ اس خلیفہ یا حاکم کو کہتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے ہوئے اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تعامل خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کرتا ہے۔ اگرچہ امیر بنانے والا شخص ناک کٹا حبشی ہی کیوں نہ ہو۔ (بخاری شریف)

د۔ مساوات | مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست جمہوریت کی ایک نہایت اہم خصوصیت "مساوات" ہے۔ اسلام نے تمام اولادِ آدمؑ کو بحیثیتِ انسان اور تمام امتِ محمدیہ کو بحیثیت مسلمان برابر قرار دیا ہے۔ یہاں کوئی دلسانی اور ملکی و ملی امتیازات کی کوئی جگہ نہیں۔ یہاں امیر و غریب برابر ہیں۔ دراصل یہاں مسئلہ دولتِ زر کا نہیں دولتِ ایمان و عمل کا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً۔ (نساء: ۱)	تم سب کو ایک جان (حضرت آدمؑ) سے پیدا کیا۔ اسی (حضرت آدمؑ) سے اس کے جوڑے (حضرت حوا) کو پیدا کیا اور (اس طرح زمین میں) بہت سے مردوں اور عورتوں کو آباد کیا۔

یہاں اگر برتری اور فضیلت نام کی کوئی شے ہے تو وہ صرف انہیں اشخاص کو حاصل ہے جن کے سینے خوفِ خدا سے لبریز ہیں اور جن کے قول و عمل سے اللہ کا ڈر ٹپکتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ۔ (الحجرات: ۱۳)	اے لوگو! بیشک ہم نے تمہیں ایک مرد (آدمؑ) اور ایک عورت (حواؑ) سے پیدا کیا اور پھر گروہوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک تم میں سب سے بزرگ وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے پہلے حکمران نے مکہ فتح کیا۔ تو اپنی امت (جو اس کی رعایا بھی تھی۔) کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! خوب سن لو، فخر و ناز کا ہر سرمایہ اور خون اور مال کا ہر دعویٰ آج میرے قدموں کے نیچے ہے۔ اے قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہاری نخوت و رعونت اور بزرگی آباء کے گھمنڈ کو دور کر دیا۔ اے لوگو! تم سب آدم علیہ السلام سے ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے تھے نسب کیلئے کوئی فخر نہیں۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت نہیں۔ تم میں معزز ترین وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔" (بخاری۔ فتح مکہ)

لیکن ایک بات یاد رکھئے یہاں اشتراکیوں کا "غیر فطرتی مساوات" نہیں جسے وہ زندگی کے ہر شعبہ میں ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ بلکہ قانونی مساوات ہے۔ ایک اور عرض کردوں اسلامی مساوات صرف حق اور قانون کی حد تک ہے۔ باقی معاملات میں اسلام نے انصاف کا درس دیا ہے۔ مگر یہ غیر فطری مساوات کے علمبردار کوئی تو مثال لائیں جسے اسلام کے نظام عدل و مساوات سے کوئی مناسبت دی جائے۔ ایک دفعہ ایک معزز گھرانے کی عورت چوری کرتی ہے، اب اس کا ہاتھ چوری کی پاداش میں کٹنا تھا تمام لوگ پریشان تھے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سفارش کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور غصہ سے انار کی طرح سرخ ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں: "تم میں سے پہلی قومیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ ان کا غریب جرم کرتا تو قانونی شکنجوں میں جکڑ دیا جاتا۔ اور امیر سے چشم پوشی برتی جاتی۔

والذی نفس محمد بیدہ لو سرقت فاطمۃ بنت محمد لقطعت یدھا۔ (مسلم)	اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر فاطمہؓ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چوری کرتی تو اسکا بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔

<u>عوام کے حقوق و فرائض کا تعین</u> اسلامی جمہوریت کی آخری کڑی عوام کے حقوق و فرائض کا تعین ہے۔ اسلامی ریاست اپنے شہریوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے مسلمان شہری اور ذمی (غیر مسلم رعایا) بنیادی انسانی حقوق ــــ شخصی آزادی، مذہبی آزادی، جان و مال کی حفاظت، قانونی مساوات، معاشرتی مساوات، انصاف اور بنیادی ضروریات کی فراہمی میں دونوں قسم کے شہری شامل ہیں۔ البتہ بعض امور میں مسلمانوں کو فوقیت حاصل ہے۔ مثلاً کلیدی اسامیوں پر فائز افسر کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

اس کے مقابلہ میں اسلامی ریاست اپنے شہریوں پر کچھ فرائض عائد کرتی ہے۔ وہ حکومت کے وفادار ہوں۔ اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے وطن کا دفاع کریں۔ مکروہات کے استیصال اور معروفات کے فروغ میں اپنی حکومت کا تعاون کریں۔

خلفاء راشدینؓ نے اپنے قول و فعل سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ انہیں رعایا کے حقوق کا بہت زیادہ پاس تھا اور وہ اپنی رعایا کو صحیح معنوں میں اپنی اولاد سمجھتے تھے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کو اپنی رعایا کے حقوق کا کس قدر خیال تھا اس کا اندازہ آپ کے فرمان سے لگائیے:

"میں کسی کو اس بات کا موقع نہیں دوں گا کہ وہ کسی کی حق تلفی کرے یا کسی پر زیادتی کر سکے۔ جو شخص ایسا کرے گا میں اس کا ایک رخسار زمین پر رکھوں گا اور دوسرے پر پاؤں۔ یہاں تک کہ وہ حق کے آگے جھک جائے۔"

(بحوالہ اسلامی ریاست کے شہریوں کے حقوق و فرائض ص ۵۴۸ مولانا محمد اسحاق)

مستشرقین نے خلفاء راشدینؓ کے طرزِ حکومت پر جو اعتراض کئے ہیں۔ ان میں ایک اہم اعتراض "ذمیوں کے حقوق کے عدم تحفظ" ہے۔ اس حقیقت کو جاننے کے لئے کہ یہ اعتراض کس قدر بے سروپا اور بودا ہے۔ "جزیہ" کے عنوان پر لکھی ہوئی مستقل کتب کا مطالعہ فرمایئے۔ یہاں صرف چند تاریخی شہادتوں پر اکتفا کیا جائے گا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المقدس کے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا اس کے الفاظ یہ تھے:

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے اس طرح پر ان کے گرجوں میں سکونت اختیار کی جائے نہ انہیں گرایا جائے گا۔ نہ ان کو اور ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے اموال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں نہ ان پر جبر کیا جائے گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔"

(ملاحظہ ہو تاریخ ابو جعفر طبری۔ فتح بیت المقدس)

حضرت حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والوں کو جو تحریر لکھ کر دی اس میں یہ الفاظ تھے:

"ان کا مذہب نہ بدلا جائے گا۔ اور اس میں کچھ دست اندازی نہ کی جائے گی۔"

(طبری ص ۲۶۳۲)

اس قسم کے معاہدات جرجان، آذربائیجان اور ترقان والوں کو لکھ کر دئیے گئے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو طبری صفحہ ۲۶۵۸ تا ۲۶۶۲ اور طبقات ابن سعد جلد نمبر ۵ صفحہ ۲۲۹۔ ہم نے اختصار سے کام اس لئے لیا ہے کہ یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔

۳۔ فلاحی یا خادمِ خلق ریاست: اسلام کا نظام حکومت دنیا کا بلاشبہ پہلا نظام ہے جو "فلاحی ریاست" کا تصور پیش کرتا ہے۔ اسلام کے پھیلاؤ کی تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اسلامی جہاد کا مقصد جہاں اشاعت حق تھا وہاں معاشی ناہمواریوں کا استیصال بھی تھا۔ نجاشی شاہ حبش

کے دربار میں حضرت جعفر طیارؓ کی تقریر اور یرموک کے میدان میں رومی جرنیل باہان کے مقابلہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کا خطبہ اس امر کا بین ثبوت ہے۔ (ملاحظہ ہو سیرت النبی شبلیؒ اور فاروق اعظم از شبلیؒ)۔

اقوام عالم نے اسلام کی جن خوبیوں کو وجہ پسندیدگی بتایا ہے۔ ان میں ایک نہایت اہم یہ بھی کہ اسلام ایک ایسی ریاست کا داعی ہے۔ جو تمام معاشی ناہمواریوں کا استحصال کرے گی۔ لہذا لوگ اپنی معاشی پریشانیوں کا حل تلاش کرنے کے لئے دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہوگئے۔ ہم یہ بات نہایت اطمینان اور وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر آج بھی اسلام کا نظام معیشت اپنا لیا جائے تو سوشلزم اور کیپٹلزم کے پیدا کردہ غموم کے بادل آن کی آن میں چھٹ جائیں۔

اسلام کا تصور خلافت میں صرف یہی نہیں کہ خلیفہ یا والیٔ ریاست اندرون ملک امن وامان قائم کرے، بیرونی حملوں سے دفاع کرے، بلکہ اس کی اصل ذمہ داری، عوام کی زندگی کے ہر شعبہ میں خیر کو فروغ دینا ہے۔ اور اس نیک کام کی راہ میں جو رکاوٹیں پیدا ہوں انہیں بیخ و بن سے اکھاڑ دے۔ معاشی اونچ نیچ کا خاتمہ کرے، عوام کی بنیادی ضروریات کی کفالت کرے۔ غربت و افلاس، فقر و فاقہ اور ظلم و تعدی کے تمام چور دروازوں کی ناکہ بندی کر دے اور ایک صالح اور معاشی فکر سے آزاد معاشرہ کی تشکیل کرے۔

اس صالح اور معاشی فکر سے آزاد معاشرہ کے قیام کے لئے اسلام ہر فرد میں معاشی جدوجہد کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ قرآن و حدیث میں معاشی تگ و تاز کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے۔ پھر انفرادی ملکیت کا حق دے کر مسلمان کو ایک معاشی فکر سے آزاد اور باعزت زندگی گذارنے کی کھلی چھٹی دی۔

پھر اسلام نے ہر شخص کو یہ درس دیا کہ اسکی دولت میں اسکی ذاتی محنت کے علاوہ اس کے دوسرے غریب بھائیوں کا تعاون بھی شامل ہے۔ لہذا اپنی جائز ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی حاجات کا بھی خیال رکھے۔ "فی اموالهم حق للسائل والمحروم"۔ ایسے اشخاص جو دولت کے انبار لگاتے ہیں۔ مگر غرباء کی ضروریات کی کفالت نہیں کرتے ان کے لئے سخت ترین وعید آئی۔ سورہ توبہ کی آیت والذین یکنزون الذهب والفضة۔ الخ میں ایسے ہی اشخاص کیلئے تنبیہ ہے۔

(باقی آئندہ)